© rasailojaraid.com

علما اور حکومت

سعید احمد اکبرآبادی

(۱)

برادر محترم و مکرم السلام علیکم ۔

آپ نے اپنے والانامہ میں دو طبقے بتائے ہیں ۔ ایک حکمراں اور دوسرا علمار کا طبقہ، چونکہ آپ کا تعلق حکمراں طبقہ سے ہے اس لئے آپ نے اپنے مکتوبِ گرامی میں جو لب ولہجہ علمار کے طبقہ کے متعلق استعمال کیا ہے اُس سے وہ حضرات ضرور تلخ کام ہونگے جو آپ سے براہِ راست واقف نہ ہونگے۔ مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھ پر اس اندازِ گفتگو کا ہرگز کوئی بُرا اثر نہیں ہوا کیونکہ میں اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہوں کہ علوم جدیدہ میں درک و کمال اور گورنمنٹ کے ایک اعلیٰ افسر ہونے کے باوصف عقیدہ و عمل کے اعتبار سے آپ کی زندگی کس درجہ ایک صحیح مردِ مومن و پاکباز کی زندگی ہے۔ آپ کو قرآن سے کس درجہ شغف اور اسلام سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر محبت اور عشق ہے۔ آپ کے خط کے جواب میں ابتدائً یہ لکھنا اس لئے ضروری تھا کہ اصل مکتوب کی صحیح اسپرٹ اور اُس کی روح سے واقف ہونے کی غرض سے قارئینِ برہان کے لئے ضروری تھا کہ وہ مکتوب نگار کی شخصیت سے بھی متعارف ہوجائیں ۔

اب میں اصل جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، آپ نے خط میں جن امور پر روشنی ڈالی ہے، اُن کا حاصل یہ ہے :۔

(۱) تاریخِ اسلام میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جب کہ حکومت علمار کے ہاتھ میں رہی ہو، حکمراں طبقہ ہمیشہ جماعتِ علمار سے ایک علیحدہ ہی طبقہ ہوا کرتا تھا

(۲) علمار حکومت کے قابل نہ بن سکے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳) حکمرانوں کے ساتھ اس طبقۂ علماء کو خدا واسطہ کا بیر رہے جو بیچ معداری کی ایک روشن مثال ہے، اختلاف کی کوئی اور وجہ نہیں۔

(۴) ہم نے علماء کے طبقہ میں سے کسی کو بھی سامنے آتے نہیں دیکھا جو اپنی ہردلعزیزی یا جرأت اور دلیری کی وجہ سے حکومت پر قبضہ کر پایا ہو۔

(۵) جب کبھی مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوا ہے وہ علماء کی وجہ سے ہی تھا۔

(۶) حکمراں طبقہ کا آپس میں کبھی ایسا اختلاف نہیں ہوا جس کی مصالحت نہ ہو سکے

(۷) حکمراں طبقہ میں یکجہتی زیادہ ہے بہ نسبت علماء کے۔

مذکورہ بالا تنقیحات میں سے نمبر اوّل سے لیکر پانچ تک علماء سے متعلق ہیں اور باقی دو کا تعلق حکمراں طبقہ سے ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ علماء کہتے کسے ہیں؟ اگر علماء سے مراد وہ حضرات ہیں جنھوں نے علوم دینیہ وشرعیہ کی باقاعدہ تحصیل وتکمیل کی ہو اور جو اُن میں درک وبصیرت رکھتے ہوں تو پھر آپ کا یہ فرمانا درست نہیں ہے کہ "تاریخ اسلام میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جبکہ حکومت علماء کے ہاتھ میں رہی ہو" کیونکہ خود آپ ہی اس خط میں ایک جگہ لکھتے ہیں "حکمرانوں میں متعدد مثالیں ایسی ہیں جہاں مملکتوں کے سربراہ ہر قسم کے علوم سے سرفراز تھے اور بعض بعض نے تو ولایت کا رتبہ پایا ہے" پھر چند سطروں کے بعد اسی خیال کو آپ اس طرح دہراتے ہیں "بادشاہوں نے اسلامی علوم سیکھے" اور اگر علماء سے مراد وہ حضرات ہیں جو اصحاب درس وتدریس، اربابِ وعظ وارشاد اور منصب داران افتاء وقضا تھے تو اول تو یہ امر فراموش نہ کرنا چاہیے کہ منصب قضا جس پر ہمیشہ علماء اور فقہا فائز رہے ہیں، وہ خود ایک حکومت کا شعبہ تھا اور وہ بھی اس درجہ اہم اور ضروری کہ اس کے بغیر کوئی حکومت جس کا اصل فرض اور منصب قیام عدل ہے چل ہی نہیں سکتی تھی اس بنا پر یہ کہنا کہ علماء کا حکومت سے کبھی تعلق نہیں رہا غلط ہے۔ قضاۃ اور وزراء کی تاریخ پر عربی میں مستقل ضخیم کتابیں موجود ہیں جن میں سے بعض حال ہی میں مصر سے چھپ کر آئی ہیں انھیں ملاحظہ کیجیے اُن سے آپ کو معلوم ہوگا کہ کسی ایک دور میں نہیں بلکہ تاریخ کے ہر دور میں اور ہر ملک میں قضا اور وزارت کے عہدوں پر بڑے بڑے علماء متمکن رہے ہیں اور ان میں بعض تو ایسے تھے کہ فرائضِ منصبی انجام دینے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ ساتھ حدیث اور فقہ کا باقاعدہ درس بھی دیتے تھے اور علوم شرعیہ پر ضخیم ضخیم کتابیں بھی لکھتے تھے مثلاً امام ابوالفضل بغداد میں ملک کافور والیِ مصر کے وزیر تھے اور اتنے بڑے محدث تھے کہ امام دارقطنی نے اُن سے روایت کی ہے۔ علامہ ابن حزم جن کی علمی جلالتِ شان سے اسلامیات کا ہر طالب علم باخبر ہے۔ خلیفہ مستظہر باللہ کے وزیر تھے۔ فقہ شافعی کے امام کمال الدین الفقیہہ سلطان نورالدین زنگی کے اور مولانا تاج الدین ابراہیم پاشا رئیس الوزراء سلطان بایزید یلدرم کے وزیر تھے۔ قضا اور وزارت کے علاوہ علماء نے حکومتوں کی طرف سے سفارت کے فرائض بھی انجام دیئے ہیں۔ چنانچہ امام شعبی خلیفہ عبدالملک اموی کی طرف سے قیصر روم کے دربار میں سفیر تھے۔ حافظ ذہبی نے اُن کے حالات میں لکھا ہے کہ قیصر روم کے دل پر امام شعبی کے تدبر اور فراست کا اتنا اثر ہوا کہ اُس نے خلیفہ کے نام اپنے خط میں اس پر تعجب ظاہر کیا کہ ان کے ہوتے ہوئے مسلمانوں نے ایک دوسرے شخص کو اپنا خلیفہ کیوں منتخب کر لیا ہے۔ خلیفہ نے واپسی پر امام شعبی کو قیصر کا یہ فقرہ سنایا تو برجستہ بولے "کیا خوب! قیصر نے مجھی کو تو دیکھا ہے۔ آپ کو بھی دیکھ لیتا تو ایسی بات زبان پر نہ لاتا۔ امام شعبی کی طرح حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی بغداد کی طرف سے دربار اربل میں سفیر بن کر گئے تھے۔ اُن کے علاوہ حافظ ابن ماکولا امام ابوالمحاسن قرشی، امام ابویعقوب شیرازی، محمد بن سلامہ قضاعی اور علامہ توشیحی وغیرہم نے بھی اپنی اپنی حکومتوں کی طرف سے سفارت کے فرائض دیئے ہیں۔ پھر قاضی ابویوسف جو ہارون رشید کے عہد میں چیف جسٹس تھے۔ امام یحییٰ بن یحییٰ مصمودی جو امام مالک کے شاگرد رشید تھے اور جن کے سیاسی اقتدار کی وجہ سے مالکی مذہب کو مغرب میں بڑا فروغ ہوا۔ قاضی یحییٰ بن اکثم قاضی لیث بن فرات ان حضرات کے ناموں سے عربی تاریخ کا کونسا طالب علم بے خبر ہوگا۔ یہ حضرات جہاں مسندِ علم و فضل کی زینت اور بزمِ دین و شریعت کے صدر نشین تھے، حکومت و سلطنت کی اقلیم میں بھی اُن کے نام کا سکہ چلتا تھا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی جو حکومتیں قائم ہوئیں، اگرچہ یہ حکومتیں اپنے مصالح کی وجہ سے قانونِ شریعت کی زیادہ پرواہ نہیں کرتی تھیں لیکن امور ملکی و سیاسی میں ان کے لئے بھی علماء سے مدد لینا ناگزیر تھا، چنانچہ حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار کے مصنف حسن الصغانی پہلے ہندوستان میں نائب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشرف (اسسٹنٹ آڈیٹر) کے عہدہ پر متمکن تھے اور پھر جب اس سے مستعفی ہوکر گھومتے گھامتے بغداد پہونچے اور اور اُن کے علم وفضل کا چرچا ہوا تو عباسی خلیفہ الناصرلدین اللہ نے ان کو اپنا سفیر بنا کر التمش کے دربار میں ہندوستان بھیجا اور ایک نہیں دو مرتبہ۔ دلی سلطنت میں مستوفی الممالک (اکاؤنٹنٹ جنرل) کا عہدہ بڑا اہم تھا، غیاث الدین بلبن کے عہد میں مولانا شمس الدین خوارزمی جو اپنے زمانہ کے بڑے نامور عالم فقیہہ اور محدث تھے اس عہدہ پر فائز تھے جو مولانا کو یہ عہدہ سپرد کیا گیا اور فرمانِ شاہی صادر ہوا تو خواجہ تاج ریضا نے کہا:

صدر اکنوں بکام دل دوستاں شدی

مستوفی ممالک ہندوستاں شدی

دلی سلطنت میں قضا کے عہدہ کے علاوہ ایک عہدہ شیخ الاسلام کا بھی ہوتا تھا جس پر ہمیشہ نامی گرامی علما ہی متمکن کئے جاتے تھے اور اس راہ سے بھی امورِ حکومت وسلطنت کی انجام دہی میں علمار کے مشورہ اور ان کی رائے سے فائدہ حاصل کیا جاتا تھا۔ خلیق احمد صاحب نظامی نے اپنی کتاب Some Aspects of Religion And Politics In India During The Thirteenth Century میں ایک پورا باب مستقلاً علما کے عنوان سے لکھا ہے اور اس میں بڑی تفصیل سے یہ بتایا ہے کہ حکومت کے ساتھ علمار کا کیا تعلق ہوتا تھا؟ اور حکومت اُن کے علم وفضل سے کس طرح استفادہ کرتی تھی۔ اسی باب میں موصوف نے اِدھر اُدھر سے جمع کرکے قاضیوں کی جو طویل فہرست دی ہے اس میں پچیس علمار کے نام گنائے ہیں اور دور کیوں جائیے خود ہمارے ہاں دیکھ لیجیے بھارت کی سیکولر جمہوری حکومت کا مرکزی وزیر تعلیم سب سے پہلے جو ہوا غیر منقسم ہندوستان کا ایک بلند پایہ عالم دین اور مشہور مفسر قرآن ہوا اور اُس نے کس فہم وتدبر اور فراست ودور اندیشی سے ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کی رہنمائی کی اور وزارت کے فرائض کو کس لیاقت اور قابلیت سے انجام دیا۔ حکومت کا بڑے سے بڑا آدمی اس کا اقرار کرتا اور اس کے لئے سراپا مدح وستائش ہے۔

اس مختصر روئداد سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ آپ کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے کہ حکومت علمار کے ہاتھ میں کبھی نہیں رہی اور وہ حکومت کے قابل نہ بن سکے۔ مذکورہ بالا تنقیحات میں سے نمبر اوّل سے لیکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نمبر ۲ تک سب کی تردید ہو جاتی ہے۔ یہ اُن علمار کا حال تھا جو قضا، وزارت، سفارت اور اس قسم کے دوسرے اعلیٰ اور ذمہ دارانہ عہدے قبول کرتے تھے اور اس طرح حکومت کی مشنری کے کل پُرزے بن کر اُس کے چلانے میں مدد کرتے تھے۔

اب رہے وہ علما، جو ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے درس و تدریس، وعظ و ارشاد، تصنیف و تالیف یا روحانی تصفیہ و تزکیہ کا کام کرتے رہتے تھے اور حکومت کے کاروبار سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے۔ اگر آپ کو شکایت جو کچھ بھی ہے وہ ان علما، سے ہے تو واضح رہنا چاہیئے کہ ان علمار کی حیثیت اسلامی سماج میں وہی تھی جو آج کل یونیورسٹی کے اساتذہ کی، مجالس قانون ساز کے ممبروں کی اور سماجی فلاح و بہبود کا کام کرنے والوں کی ہوتی ہے۔ یہ لوگ حکومت سے براہ راست متعلق نہیں ہوتے لیکن درحقیقت حکومتیں چلتی انہیں کے سہارے اور مدد سے ہیں۔ اگر علمار درس کا کام نہ کرتے تو حکومت کے لئے تعلیم یافتہ اور لائق و قابل اہلکار کہاں ملتے؟ اگر یہ احکام شریعت کی توضیح نہ کرتے تو حکومتوں کو آئے دن جو قانونی معاملات و مسائل پیش آتے رہتے تھے ان کا حل کون بتاتا؟ اگر یہ علمار وعظ و ارشاد اور روحانی تزکیہ کے ذریعہ لوگوں کے اعمال و اخلاق کی اصلاح نہ کرتے تو حکومتوں کو اچھے اور نیک شہری کہاں نصیب ہوتے؟ آپ فرماتے ہیں علمار کو حکمرانوں کے ساتھ خدا واسطے کا بیر تھا جو بیج مقداری کی ایک روشن مثال ہے۔

(۳) لیکن درحقیقت ان علمار کی شان ہی کچھ اور تھی! ان کی سادہ، قناعت پسندانہ اور بے لوث و بے غرض زندگی کا عجیب و غریب اور نہایت موثر نقشہ مولانا شبلی نے ایک ترکیب بند میں کھینچا ہے۔ چند اشعار آپ بھی سنتے چلئے۔ فرماتے ہیں۔

اکیہ پرسی چہ کسانیم؟ و چہ ساماں داریم؟ — آنچہ با ہیچ نیرزد بجہاں آن داریم
ما نہ آنیم کہ دیہیم سکندر طلبیم — ما نہ آنیم کہ اورنگ سلیمان داریم
ما نہ آنیم کہ بر شیوۂ ارباب حشم — روی بہ در راہبے بدرِ دولت سلطان داریم
ما نہ آنیم کہ با حاجب و درباں باشیم — ما نہ آنیم کہ بام و درِ ایواں داریم
خاکسارانِ جہانیم و ز اسبابِ جہاں — بوریا نیست کہ در کلبۂ احزاں داریم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جز نے خامۂ واوراق پریشاں بنود   بیش وکم آنچہ بہ پیدا و بہ پنہاں داریم

اس فقر و درویشی۔ قناعت گزینی اور حکومت سے بے تعلقی کے باوجود جو اضطراری نہیں اختیاری تھی اور جو علم شریعت و دین کو حکومت کے اثرات سے آزاد رکھنے کی غرض سے تھی ان حضرات کا حال یہ تھا کہ سلاطین اور امراء و روٴسا کے دلوں پر حکومت کرتے تھے اور بڑے بڑے بادشاہ اُن کی خدمت میں حاضر ہونے کو اپنے لئے سرمایۂ فخر و مباہات سمجھتے تھے۔ ہاروں رشید جس نے محض امام مالک سے سماعِ حدیث کے لئے مدینہ کا سفر کیا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ ایک نابینا عالم ابومعاویہ حزیر کی دعوت کی تو خود آفتابہ لیکر اُن کے ہاتھوں پر پانی ڈالا۔ سلطان نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کس جاہ وجلال کے فرمانروا تھے کہ صلیبی طاقتیں اُن کے نام سے لرزتی تھیں اس کے باوجود یہ دونوں حافظ ابن عساکر جنھوں نے تاریخ دمشق ۸۰ جلدوں میں لکھی ہے، ان کے درسِ حدیث میں بڑے ادب و احترام سے شریک ہوتے تھے، یہاں تک کہ بعض اوقات اُستاد کسی بات پر ناراض ہوکر شاگرد کو ڈانٹ بھی دیتے تھے۔ ہندوستان کا فاتح شہاب الدین غوری امام فخرالدین رازی کی مجلس وعظ میں ہر جمعہ کو پابندی سے شریک ہوتا تھا اور عجیب بات یہ ہے کہ امام عالی مقام نے ہی ہندوستان کی مہم میں غوری کی مدد اپنی دولت سے کی تھی۔ غیاث الدین بلبن کے متعلق برنی نے لکھا ہے کہ اپنے عہد کے کبار علماء و مشائخ کے مکانوں پر خود حاضر ہوتا اور فتوح پہونچاتا تھا۔ امیر تیمور کی خونخواری سے کون واقف نہیں ہے۔ ایک مرتبہ علامہ سعدالدین تفتازانی نے ایک گستاخی پر قاصد سلطانی کو پٹوادیا۔ لوگوں نے امیر تیمور کو اُکسایا کہ علامہ کو سزا دے مگر اس نے کہا کہ جس کا قلم ان شہروں کو فتح کرچکا ہے جہاں میری تلوار نہیں پہونچی میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ واضح رہنا چاہیئے کہ یہ چند استثنائی واقعات نہیں ہیں بلکہ فیروز شاہ تغلق۔ سکندر لودی اور پھر شاہانِ مغلیہ میں بابر۔ ہمایوں۔ اکبر۔ جہانگیر۔ شاہ جہاں اور اورنگ زیب عالمگیر وغیرہم کی زندگیوں میں بھی علماء اور مشائخ کے ساتھ غیر معمولی عقیدت و احترام کے واقعات ملتے ہیں، یہ سب کچھ آخر کیوں تھا؟ محض اس لئے کہ سلاطین ان بزرگوں کو جوہرِ انسانیت سمجھتے تھے اور انھیں یقین تھا کہ وہ اپنے علم و فضل سے اسلام کی۔ ملک کی۔ اور انسانیت کی بہترین خدمات انجام دے رہے ہیں جو خود اُن کی حکومت کی بقا اور استحکام کے لئے بہت ضروری ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ فرماتے ہیں یہ علما احساسِ کمتری میں مبتلا تھے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ سلاطین ان کی خوشامد کرتے۔ اُن پر جبر کرتے مگر یہ کوئی سرکاری عہدہ قبول نہیں کرتے تھے اور اس بنا پر بعض اوقات اُن کو شدائد و مصائب بھی انگیز کرنے پڑتے تھے، جیسا کہ امام ابوحنیفہ کو پیش آیا۔ یقین کیجئے ان اصحاب درس وافتا اور ارباب مدرسہ و خانقاہ کا حکومت سے الگ تھلگ رہنا اور اس کی وجہ سے عسرت اور تنگدستی کی زندگی گذارنا محض اسلام کی اور سلطنت کی خیرخواہی میں تھا کیونکہ اُن کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جتنا اس صورت میں کارگر اور مؤثر ہوسکتا تھا حکومت کے عہدہ دار و وظیفہ خوار ہونے کی صورت میں نہیں ہوسکتا تھا، علاوہ ازیں عوام سے ربط وضبط اور دینی اور علمی کاموں کے لئے یکسوئی! ملازمتِ سلطانی کی صورت میں ان کی گنجائش زیادہ نہیں رہ سکتی تھی۔ اسی آزادی اور اس کی وجہ سے جرأت و بیباکی کا یہ نتیجہ تھا کہ علماء کے اس مخصوص طبقہ نے تاریخ کے بعض نہایت نازک مواقع پر حکومت کے معاملہ میں ملت کی نہایت صحیح اور بروقت رہنمائی کی ہے اور اس طرح مسلمانوں کو شدید ابتلا سے بچالیا ہے۔ چنانچہ حضرت رجاء بن حیوۃ جو بڑے بلند پایہ محدث اور فقیہہ ہیں اور تابعین کے چوتھے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں تاریخِ اسلام اُن کا یہ احسان کبھی فراموش نہیں کرسکتی کہ محض ان کی سعیِ بلیغ اور سیاست کے باعث سلیمان عبدالملک کی وفات کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز سریرآرائے خلافت ہوئے جن کی خلافت علیٰ منہاج الخلافۃ الراشدہ تھی۔ یہ کس ترکیب و تدبّر سے خلیفہ ہوئے؟ اس کی مفصل روئداد بڑی دلچسپ ہے مگر یہاں اس کا موقع نہیں ہے۔ پھر چھٹی صدی ہجری میں ابو عبداللہ محمد بن تومرت جو نہایت متقی و پرہیزگار اور بلند پایہ عالم و زاہد تھے انھوں نے مغرب میں جو خالص اسلامی طرز کی حکومت قائم کی تو یہ کس کا فیضِ اثر تھا؟ امام غزالی اور اُن کے ہم عصر علماء و فضلاء کا جن سے ابن تومرت نے باقاعدہ حدیث و فقہ کا درس لیا تھا یا کسی اور کا؟ علاء الدین خلجی جو نہایت خودسر اور بددماغ بادشاہ تھا اُس کے سامنے جن قاضی مغیث نے سر پر کفن باندھ کر اعلانِ حق کیا اور خرشاہی میں بیجا دستبرد کرنے سے ٹوکا تھا طبقۂ علماء سے تعلق رکھتے تھے یا حکمراں طبقہ سے؟ پھر کون نہیں جانتا کہ شہنشاہ اکبر کے ہاتھوں اسلام پر کیسی کچھ قیامت نہیں گذر گئی تھی اس کے سامنے سینہ سپر ہوکر کس نے اس صورتِ حال کو بدلا؟ مجدد الف ثانیؒ اور ان کی جماعت نے جو سرخیلِ علمائے دین تھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت پر جب زوال آیا اور مرہٹوں نے ملک میں امن وامان کو تہ و بالا کر ڈالا تو اس کے خلاف کس نے آواز اٹھائی؟ اور احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست فاش دیکر ملک کو اس مصیبت سے بچالیا، تو یہ سب کس کی جد وجہد اور سعی و کوشش کا اثر تھا؟ حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی اور ان کی جماعت کا۔ ذرا پیچھے پلٹ کر اور دیکھئے، سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد فیروز شاہ تغلق جیسا دیندار اور راسخ العقیدہ مسلمان اورنگ آرائے حکومت ہوا تو اس میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کی کوششوں کا دخل تھا، جیسا کہ ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا بھی ہے۔ فیروز شاہ کے عہد سے پہلے سے چالیس پینتالیس کے قریب غیر شرعی اور ظالمانہ ٹیکس مروج چلے آرہے تھے، فیروز شاہ خود بھی عالم اور خدا ترس بادشاہ تھا اور ادھر علما نے بھی اس طرف متوجہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے وہ سب ٹیکس یک قلم منسوخ کر دیئے۔ مامون رشید کی سرپرستی میں خلق قرآن کا جو عظیم فتنہ اٹھا تھا اس کا سدِ باب امام احمد بن حنبل نے سخت شدائد و مصائب کو برداشت کر کے جس عزم و ہمت سے کیا اس سے تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں نازل فرمائے ان گدایانِ سکندر دماغ و دارا دل پر جنہوں نے فقر و درویشی کے باوجود ہر موقع پر ان کی ناانصافیوں اور ظلم و جبر پر بے جھجک ٹوکا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض انجام دیکر ایک طرف خلق خدا کو اس مصیبت سے نجات دی جس میں وہ مبتلا تھی اور دوسری جانب خود حکومت کو تباہ ہونے سے بچالیا۔ کیونکہ ظلم کا انجام اس کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ واقعات بیشمار ہیں ان کا استقصا کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند واقعات سن لیجئے ان سے ایمان تازہ ہو گا۔ حضرت یزید بن حبیب مشہور تابعی ہیں، ایک مرتبہ بیمار تھے، مصر کا گورنر ابن سہیل عیادت کے لئے حاضر خدمت ہوا۔ گفتگو کے دوران میں اس نے مسئلہ پوچھا کہ جس کپڑے پر مچھر کا خون لگا ہو اس سے نماز جائز ہے یا نہیں؟ حضرت یزید بن حبیب نے غصہ سے تلملا کر جواب دیا۔ "تو روزانہ خدا کے بندوں کا خون بہاتا ہے اور مجھ سے مچھر کے خون کا فتویٰ مانگتا ہے!" اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے ایک قاصد حضرت اعمش کوفی کے پاس بھیجا کہ ان سے حضرت عثمانؓ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مناقب اور حضرت علیؓ کے مثالب لکھوائے۔ حضرت اعمش نے خلیفہ کا وہ پرچہ قاصد سے لیکر بکری کے منہ میں دے دیا اور فرمایا خلیفہ سے کہدینا کہ اس کے خط کا یہی جواب ہے۔ لیکن جب قاصد نے تحریری جواب دینے پر اصرار کیا تو آپ نے ایک پرچہ پر یہ لکھکر قاصد کے حوالہ کر دیا "امیرالمومنین! اگر عثمان میں دنیا بھر کی ساری خوبیاں اور علی میں دنیا بھر کی تمام برائیاں بھی جمع ہوجائیں تو تجھ کو اُس سے کیا؟ قیامت میں تو تجھے خود اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا اس لئے تو اپنی خبر لے" ایک مرتبہ عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے حضرت عبداللہ بن طاؤس کو بلایا اور کسی حدیث کی روایت کی درخواست کی جو اُن کے والد طاؤس بن کیسان کے ذریعہ اُن تک پہونچی ہو ابن طاؤس کو اظہار حق کا یوں موقع ملا تو فوراً یہ حدیث بیان کی "قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص پر ہوگا جس کو اللہ نے حکومت دی مگر اُس نے ظلم کیا"۔

اسی خلیفہ منصور کا ایک اور واقعہ ہے ایک مرتبہ ایک مکھی اُس کے مُنہ پر آکر بیٹھی اُس نے اڑادی، مکھی دوبارہ آکر بیٹھ گئی۔ منصور نے اُسے پھر اڑادیا۔ تیسری مرتبہ بھی جب ایسا ہی ہوا تو منصور نے جھنجلا کر مشہور مفسر ابن سلیمان سے جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ دریافت کیا۔ خدا نے مکھی کس ضرورت سے پیدا کی ہے"۔ ابن سلیمان نے برجستہ جواب دیا "گھمنڈ کرنے والوں کا غرور توڑنے کے لئے" منصور اپنا سا منہ لیکر رہ گیا۔

اب آپ خود اندازہ کیجئے کہ جو حضرات اس طرح باجبروت بادشاہوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے ہوں۔ کیا اُن کی نسبت یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ احساسِ کمتری میں مبتلا تھے اور اس لئے حکومت سے بیر رکھتے تھے۔

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر
توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

(باقی)

© rasailojaraid.com